اسلام اور امن وسلام

(از: خالد کمال مبارکپوری)

اسلام سراپا امن وسکون، اطمینان وسلامتی، اور محبت اخوت کا حامل ہے، اس کے دامن پر کبھی جنگ وپیکار اور بغض وکینہ کا دھبہ نہیں لگا، اس کا مقصد اولین امن وسلامتی ہے اور درحقیقت اس کا ماخذ بھی امن وسکون ہی ہے جس کے لئے عربی میں سلام کا لفظ ملتا ہے

بعض مستشرقین کا دعویٰ ہے کہ "اسلام تلوار کے زور سے پھیلا" لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے کبھی اپنا حکم نافذ کرنے اور عوام کو اپنے قبضہ میں کرنے کے لئے تلوار کا سہارا نہیں لیا البتہ تلوار کو امن وسکون کے ساتھ تبلیغ اسلام کا وسیلہ ضرور بنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر مسلمان پر یہ بھی ضروری ہے کہ اگر وہ اسکی ضرورت محسوس کرے تو تلوار کو درمیان میں لاسکتا ہے اور اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو تلوار کا میان سے نکالنا بھی جرم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:۔

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیہم سبیلاً (النساء - ۹۰)

"پھر اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے سلامت روی رکھیں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی ہے"

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:۔

وان جنحوا للسلم فاجنح لہا وتوکل علی اللہ انہ ھو السمیع العلیم۔ (الانفال - ۶۱)

"اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے بلاشبہ وہ خوب سننے والا جاننے والا ہے"

اسلام نے دفاع اور امن وسکون سے دعوت اسلام پھیلانے کے لئے تلوار کا استعمال اسلئے ضروری قرار دیا ہے کہ اسلام قبول کرنے والے کہیں غیر مسلمین کے خوف سے اسلام کے قبول کرنے میں پس وپیش نہ کرنے لگیں جیسا کہ اہل مکہ کو اس مرحلہ سے گذرنا پڑا تھا اور وہ مجبوراً اپنے دوسرے لوگوں کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے نکلے تھے، اسکے باوجود بھی اللہ تعالیٰ نے تجاوز اور زیادتی کی اجازت نہیں دی، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے:۔

ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین (البقرہ — ۱ ،)

"اور حد سے مت نکلو واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے"

(بقیہ)

مسئلہ حیات النبی ﷺ

بالآخر جلسہ شاندار کامیابی کے ساتھ ختم ہوا۔ اور جو تحریک احقر کے قلم سے کراچی سے شروع ہوئی تھی، وہ ملتان، سرگودھا، جہلم میں اپنے مختلف مراحل سے گذرتی ہوئی راولپنڈی میں بخیر اتمام تک پہونچ گئی۔ خدائے برتر وتوانا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ چار سال کی مکدر فضا صاف ہوئی اور اس کے المناک آثار روبہ زوال نظر آنے لگے۔ والحمد للہ اولاً وآخراً۔

حق تعالیٰ اس یگانگت کو پائیدار اور برقرار رکھے، اور مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ دین وملت کے اہم کاموں کو جزئیات فرعیہ کے مقابلے میں اہم سمجھتے ہوئے اپنی جماعتی قوتوں کو ان پر لگائیں۔

(احقر محمد طیب غفرلہ) (۲۴/۶/۶۲)

اِنہیں اغراض و مقاصد کو سامنے رکھ کر اسلام نے جنگ کی اجازت دی، اور جب بھی کوئی اِس قسم کا واقعہ پیش آتا تو مجاہدین کو جنگ کے اغراض و مقاصد سے پوری طرح واقف کر دیا جاتا تھا اور اُن کو بتلا دیا جاتا تھا کہ اگر بدرجہ مجبوری جنگ کے مواقع پیش آ جائیں تو تم کبھی پہل نہ کرنا۔

چنانچہ تواریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ جب کبھی آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کسی محاذ پر لشکر روانہ فرماتے تو روانگی سے قبل ان کے سامنے اسلامی تعلیمات کے نکات کو ان الفاظ میں واضح فرما دیا کرتے تھے:۔

تألفوا الناس وتأنوا بهم ولا تغيروا عليهم حتى تدعوهم فما على الارض من اهل بيت من مدر ولا وبر الا ان ... تأتوني بهم مسلمين احب الي من ان تأتوني بابنائهم ونسائهم وتقتلوا رجالهم۔

”لوگوں سے میل ملاپ پیدا کرو اور اُسوقت تک ان کے ساتھ غیر کا سلوک نہ کرو جبتک کہ اُن کو اسلام کی دعوت نہ دے لو کیونکہ روئے زمین کے نشیب و فراز میں واقع مکان کے مکین کا میرے پاس مسلمان ہو کر آنا میرے لئے انکے بال بچّوں کے مقید ہو کر آنے اور اُن مردوں کے قتل کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔“

حضرت سیف اللہ خالدؓ بن ولید نے اہل حیرہ سے صلح کی جس میں نہ کوئی ظلم و زیادتی تھی نہ استبداد و جور اور نہ ضعیف و قوی کی کوئی تمیز تھی۔

چنانچہ ان کے عہد نامہ میں لکھا گیا تھا:۔

هذا ما عاهد عليه خالد بن وليد نقباء اهل الحيرة ورضي بذالك اهل الحيرة وامرهم به عاهدهم على مائة وتسعين الف درهم تقبل في كل سنة جزاء على ايديهم في الدنيا رهبانهم وقسيسهم الا من كان منهم على غير ذي يد حبيسا عن الدنيا تاركا لها ......

....

وجعلت لهم ايما شيخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات وان كان غنيا فافتقر وصار اهل دينه يتصدقون عليه، طرحت جزيته الخ

”خالد بن ولیدؓ نے حیرہ والوں سے جو معاہدہ کیا ہے یہ اسی کی تحریر ہے اہل حیرہ اِس معاہدہ سے راضی ہیں اور اس پر عمل بھی شروع ہو چکا ہے۔ معاہدہ کی شرط یہ ہے کہ اہل حیرہ ایک لاکھ نوّے ہزار درہم سالانہ بطور جزیہ دیا کریں، حیرہ کے وہ راہب اور پادری بھی جزیہ دیں گے جن کے قبضہ میں جاگیر و دولت ہو، ہاں! جن کے ہاتھ بالکل خالی ہوں اور وہ دُنیا سے کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے ہوں اُن کو کچھ نہ دینا ہوگا

میں اِس بات کی بھی صراحت کئے دیتا ہوں کہ جو بوڑھا آدمی کام دھندا کرنے سے عاجز ہو جائے یا کوئی آفت ناگہانی اُسے معذور کر دے یا اگر کوئی شخص پہلے مالدار ہو، اور پھر فقیر ہو جائے، اور ایسا قرضدار ہو جائے کہ لوگ اسکو صدقہ وغیرہ دینے لگیں تو ان مذکورہ بالا شکلوں میں ان حضرات سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔“

٭ ٭ ٭

نیز تاریخ اِس بات پر بھی شاہد ہے کہ اگر اثناءِ جنگ میں، مُسلمانوں سے سہواً کوئی نقصان ہو جاتا تو جملہ مُسلمان اُس کا تاوان بھی ادا کرتے تھے۔ اِسکی ایک مثال حاضر ہے کہ:۔

فتح شام کے درمیان ایک ذمی حضرت عمرؓ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، اور شکایت کی کہ کچھ مسلمانوں نے اسکی اجازت کے بغیر اس کے باغ سے انگور توڑے ہیں، یہ سُنکر حضرت عمرؓ چھاؤنی سے نکلے تو دیکھا کہ ایک مسلمان انگور کے باغ سے نکلا اور انگور کے خوشے اپنے ہاتھوں میں لٹکائے ہوئے ہے، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے چیخنے کے انداز میں اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے ڈانٹا ”تم نے بھی اب ایسی حماقت شروع کر دی؟“ جسے سُنکر انگور بردار نے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا کہ اس نے بھوک سے مجبور ہو کر یہ حرکت کی ہے۔ بات سچ

تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس کے ضائع شدہ انگور کی قیمت ادا کرو۔

جس وقت حضرت عمرؓ نے عراق کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو شہر کے سربر آوردہ غیر مسلمین نے دعویٰ کیا کہ شہر کے معاملات میں رائے مشورہ کے لئے ہم کو بھی نامزد کیا جائے اور ہماری رائے کو دخل دیا جائے۔

مقریزی نے لکھا ہے کہ آپ ان غیر مسلمین شہریوں کی رائے کی قدر کرتے ہوئے ان پر عمل کرتے کراتے تھے، اور عظیم قبط مقوقس بادشاہ سے بہت سے معاملات میں مشورہ لیا۔

اسی طرح فتح شام کے وقت حضرت عمرؓ نے ایلیاء والوں سے جو معاہدہ کیا اسکی رو سے اہلِ ایلیاء کے نفوس و اموال اور ان کے کنائس و صلبان مامون قرار دئے گئے۔

حضرت عمرؓ کا یہ معاہدہ بعد میں چل کر "عہدہ عمریہ" کے نام سے مشہور ہوا، جسے محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں یوں مفصل ذکر فرمایا ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا ما اعطى عبد الله عمرؓ امير المؤمنين اهل ايلياء من الامان اعطاهم امانا لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريئها وسائر ملتها انه لا تسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم ولا من شيء من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد منهم ولا يسكن بايلياء معهم احد من اليهود وعلى اهل ايلياء ان يعطوا الجزية كما يعطي اهل المدائن وعليهم ان يخرجوا منها الروم واللصوص فمن خرج منهم فانه امن على نفسه وماله حتى يبلغوا مامنهم ومن اقام منهم فهو امن وعليه مثل ما على اهل ايلياء من الجزية ومن احب من اهل ايلياء ان يسير بنفسه وماله مع الروم ويخلي بيوتهم وصلبهم فانهم امنون على انفسهم وعلى بيوتهم وصلبهم حتى يبلغوا مامنهم ومن كان بها من اهل الارض فمن شاء منهم قعد وعليه مثل ما على اهل ايلياء من الجزية ومن شاء سار مع الروم ومن شاء رجع الى اهله وانه لا يؤخذ منهم شئ حتى يحصد حصادهم وعلى ما في هذا الكتاب عهد الله وذمة رسوله وذمة خلفائه وذمة المؤمنين اذا اعطوا الذي عليهم من الجزية وقد كتب هذا العهد في عام الخامس

"شروع کرتا ہوں ساتھ نام اللہ بخشش کرنیوالے مہربان کے۔ یہ امان نامہ اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی جانب سے ایلیاء والوں کو دیا گیا، امان نہ صرف ان کی جان کو دی گئی ہے بلکہ ان کے اموال و اولاد، کنائس و صلیب، بیمار تندرست اور دوسرے تمام اہلِ ملت کو بھی امان دی گئی جسکی رو سے انکے کنیسوں کو مسکن نہیں بنایا جا سکتا نہ ان کنیسوں منہدم کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کنیسوں میں سے توڑ پھوڑ کر کمی کی جا سکتی ہے حتیٰ کہ ان کے احاطے پر بھی قبضہ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اُن کے صلیب و اموال وغیرہ پر بھی دست درازی نہیں کی جا سکتی، ایلیاء والوں کو جس طرح ان کے دین پر جبر کر کے اسلام ان کے سر پر نہیں تھوپا جائے گا، اسی طرح ان کو کسی قسم کا کوئی ضرر بھی نہیں پہونچایا جا سکتا، ہاں البتہ اگر ایلیاء والوں کے ساتھ ایلیاء میں یہود رہنا چاہیں تو اُن کو اسکی اجازت نہ ہوگی ایلیاء والوں پر لازم ہوگا کہ مدائن والوں کی طرح مسلمانوں کو جزیہ دیا کریں اور ان پر ایک ذمہ داری یہ بھی عائد ہوگی کہ وہ ایلیاء سے رومیوں اور چوروں کو نکال باہر کریں جو نکلنے پر آمادگی کا اظہار کریگا اُسے اُسوقت تک کے لئے امان ہے جب تک کہ وہ اپنی امان گاہ تک نہ پہونچ جائے اور جو یہیں رہنا چاہے تو اُسے بھی امان ہے بشرطیکہ وہ بھی ایلیاء کے عام باشندوں کی طرح جزیہ دیا کرے، اور ایلیاء کا جو فرد روم والوں کے ساتھ اپنا مال و متاع لے کر اور اپنے کنائس و صلیب کو خالی چھوڑ کر جا سکتا ہے اور اُسے اُسوقت تک ہر قسم کی امان رہے گی جب تک کہ وہ اپنی امن گاہ میں نہ پہونچ جائے، اس اعلان کے بعد جس کا

عشر الهجرة وشهد عليه خالد بن الوليد وعمرو بن العاص و عبد الرحمٰن بن عوف و معاوية بن ابي سفيان ۔

جی چاہے یہیں رہے، اور ایلیا والوں کی طرح جزیہ دے اور جو جانا چاہے وہ رومیوں کے ساتھ چلا جائے اور جس کا جی چاہے وہ اپنے وطن کی جانب مراجعت کرے، اس سے اس وقت تک جزیہ نہیں لیا جائیگا جبتک کہ ان کی کھیتیاں پک کر تیار نہ ہو جائیں، اس عہد نامہ میں جو کچھ تحریر ہے اس پر اللہ کا عہد اس کے رسول، خلفاء اور تمام مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ وہ جزیہ دیا کریں، اس تحریر کے گواہ خالد بن ولیدؓ عمرو بن عاص، عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیان ہیں، یہ عہد نامہ ۱۵ھ میں لکھا گیا"

اس طرح اسلام اپنے ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے مودت و محبت اور اخوت و سلامت کا دین ہونے کا ثبوت دیتا ہے جس میں جبر و استبداد کا کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا ۔

آج دنیا کی نام نہاد ترقی یافتہ قوموں نے جنگ و سیاست کے بعض عالمی قوانین نافذ کئے ہیں اسلام نے ان قوانین کو ہزاروں برس پہلے دنیا کے سامنے لاکر پیش کر دیا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔

چنانچہ انیسویں صدی یا بیسویں صدی کے شروع میں جنگ کرنے سے پہلے اعلانِ جنگ کرنا عالمی قانون کی رو سے ضروری قرار دیا کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ایک مملکت اپنے قریبی پڑوسی مملکت پر اچانک دھاوا بول کر تباہی و بربادی مچا دیا کرتا تھا اور بارود و مشین کے ذریعے انسانوں کو منٹوں میں بھون کر رکھ دیا کرتا تھا، لوگ دن کو اپنے اپنے کام دھندوں میں مصروف رہا کرتے، اور صبح کو اپنے اہل و عیال کو موت کے چنگل میں تڑپتا ہوا پاکر تڑپ اٹھتے تھے اور دشمنوں کو چاروں طرف سے شہر کا محاصرہ کئے ہوئے دیکھکر قیامت کا نقشہ نظروں کے سامنے گھوم جاتا تھا، اس مصیبت نے کتنے ہی نوجوانوں کو بوڑھا بنا رکھا تھا، جب معاملہ حد سے گذر گیا تو بیسویں صدی کی ابتداء ۱۹۰۷ء میں ہالینڈ کے شہر لاہائی میں ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں یہ تجویز پاس کی گئی کہ بغیر کھلے الفاظ میں پہلے مقابل کو وارننگ دئے ہوئے کوئی بھی ملک کسی دوسرے ملک پر حملہ نہیں کر سکتا یہ اعلان خواہ کھلم کھلا اعلانِ جنگ کی شکل میں ہو یا اس قسم کی دھمکی کسی شکل میں ہو کہ اگر فلاں ملک اپنی فلاں حرکت سے باز نہ آیا تو میں اس پر حملہ کروں گا۔

بیسویں صدی عیسوی کے ابتداء میں لاہائی کی پاس شدہ یہ تجویز قرآن میں ہزاروں سال پیشتر سے موجود تھی۔ چنانچہ قرآن کے الفاظ ہیں کہ :-

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ط

"اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو وہ عہد آپ انکو اس طرح واپس کر دیجئے کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے"

امنِ عالم کی برقراری کے سلسلہ میں اسلام کا یہ اقدام بھی نہایت مستحسن ہے کہ اس نے وعدہ وفائی اور عہد و پیمان کے پورا کرنے کی تلقین کی ہے اور اسے امانت سے تعبیر کیا ہے حتیٰ کہ بت پرستوں کے ساتھ بھی اس نے وفاداری ہی کی تلقین کی ہے چنانچہ قرآن میں ہے :-

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ

"ہاں مگر وہ مشرکین مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے عہد لیا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا کمی نہیں کی

یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین ۵ (التوبہ - ۴)

"اور نہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی سو ان کے معاہدہ کو ان کی مدت تک پورا کرو واقعی اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند فرماتے ہیں"

عہدِ نبویؐ میں اہلِ کتاب کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اپنے ہم مذہب کے ساتھ تو عہد و وفا کی تلقین کرتی تھی لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہرگز اسے روا نہیں رکھتی تھی بلکہ اس کے برعکس غداری کی راہ اختیار کئے ہوئے تھی، اور کھلے الفاظ میں کہتی تھی کہ ان جاہلوں کے ساتھ اپنی بنتے والی نہیں ہے، اسی کے جواب میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی کہ عہد و پیمان پر عملداری تو انسان کے عظیم واجبات میں سے ہے، قرآن کے الفاظ ہیں :-

بلیٰ من اوفی بعھدہ واتقی فان اللہ یحب المتقین۔ (آل عمران - ۷۶)

"ہاں جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے تو بیشک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں متقیوں کو"

قیامِ امنِ عالم کے سلسلہ میں دنیا کی ساری حکومتوں نے ایک تنظیم بنائی جو پہلی عالمگیر جنگ کے بعد قائم ہوئی اسکی ناکامی کے بعد اقوامِ متحدہ کی تنظیم عمل میں لائی گئی جو دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ظاہر ہوئی، اس کے علاوہ بھی امنِ عالم کو برقرار رکھنے کے لئے یالٹا کانفرنس اور سان فرانسسکو کانفرنس منعقد ہوئی، اقوامِ متحدہ نے امنِ عالم کی بقاء کے سلسلہ میں اپنے دیباچہ میں تحریر کیا کہ اسلام نے آج سے ہزاروں برس قبل سلامتی کی دعوت دی ہے اور آپس میں تعاون و تعارف کو اپنایا ہے، چنانچہ اسلام کی قانونی کتاب قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے کہ :-

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ (الحجرات - ۱۳)

"لوگو! ہمنے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا! اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"

جیسے کہ اسلام نے دوسرے مذہب و ملت والوں کے ساتھ سلوک و احسان کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں دشمنوں سے البتہ ہوشیار کیا ہے، قرآن کہتا ہے :-

لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون ط (الممتحنہ - ۸ - ۹)

"اور اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں صرف اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کریگا سو وہ گنہگار ہوگا"

اللہ تعالیٰ نے سلام و امن کو جنت کے خوشگوار احوال میں گردانا ہے، ارشاد باری ہے :-

لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا قیلا سلاما سلاما ط (الواقعہ ۲۵، ۲۶)

"وہاں نہ بک بک سنیں گے اور نہ کوئی بے ہودہ بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز آئیگی"

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے :۔

ادخلوھا بسلام ذالک یوم الخلود۔ (ق - ۳۴)

"اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا۔"

ایک اور مقام پر فرمایا گیا ہے :۔

تحیتھم یوم یلقونہ سلام واعدّ لھم اجراً کریماً ط (الاحزاب - ۴۴)

"وہ جس روز اللہ سے ملیں گے تو ان کو جو سلام ہوگا وہ یہ ہوگا کہ السلام علیکم، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے"

٭　٭　٭

اسی پر بس نہیں بلکہ سلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء کی صف میں رکھا ہے اور اسے قرآن میں یوں استعمال کیا گیا ہے

ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الملک القدوس السلام۔ (الحشر - ۲۳)

"وہ ایسا معبود ہے کہ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں، وہ بادشاہ ہے پاک ہے سلام ہے"

اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام، نوحؑ، ابراہیمؑ موسیٰؑ، ہارونؑ، آل یاسینؑ اور دیگر پیغمبروں کی دعائے سلامتی کو بھی قرآن نے ذکر کیا ہے۔

ان آیات و بینات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امن و سلامتی اسلام کا جوہر ہے جو آج تمام ترقی یافتہ ممالک کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے، جس کی وجہ سے آج قوانین و ضوابط وضع کئے جا رہے ہیں اور کانفرنسیں بلائی جاتی ہیں اور کبھی اقوام متحدہ کی بنیاد پڑتی ہے تو کبھی مجلسِ امن کے نام سے کمیٹی بنائی جاتی ہے، اور حالات سنگین ہونے کی شکل میں عالمی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تنظیموں کا مقصد صرف قیام امن ہے۔

چنانچہ مجلسِ امن، امن و سلامتی کی ذمہ دار ہے اور دو ملکوں کے تنازعات کو پُر امن طریقے سے حل کرنے کی مجاز ہے اور وقت پڑنے پر قیام امن کے لئے طاقت کا استعمال بھی کر سکتی ہے، یہ مجلسِ امن جس مقصد کو لیکر آگے بڑھ رہی ہے وہ آج سے ہزاروں سال قبل اسلام کا مقصدِ اوّلین رہ چکا ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ ہزاروں برس تک اسلام نے امن و سکون کیساتھ حکمرانی کی۔

آج اگر اہلِ یورپ شاخِ زیتون اور کبوتر سے امن و سکون کے رمز کو آشکارا کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں تین و زیتون اور طور سینین کی قسم کھا کر عقلِ انسانی کے لئے راستہ صاف کر دیا تھا اور اُن میں امن و سکون کے رموز اسی طرح ودیعت کر رکھے تھے جس طرح کہ کبوتر میں، چنانچہ دیکھئے مسجد حرام میں ہزاروں کبوتر رہتے ہیں جن کا قتل کرنا حرام ہے خود اللہ تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا ہے اور اُن کو مسجد کے جھروکوں، عمارت کے دوسرے حصّوں اور اُسکی فضاؤں میں تیرنے کی اجازت دیتا ہے اور وہ نہایت اطمینان و سکون سے مسجد حرام کی فضاء میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب کی جانب پرواز کرتے ہیں۔

اِن حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد یہ سرِّ نہاں بے نقاب ہو جاتا ہے کہ اسلام نے اپنے دامن میں چودہ سو برس پہلے سے امن و سلامتی کے ایسے ایسے گر چھُپائے رکھے ہیں جو قیام امن کے لئے نہایت مجرّب ہیں اور ان سے مسلمانوں کے نظام امن و سکون پر روشنی پڑتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے قیام امن کے لئے اپنے زمانے میں کس قدر جدوجہد کی، لہٰذا اگر آج یورپ کے کسی کونے سے قیام امن کے داعی حشرات الارض کی طرح نکل رہے ہیں تو یہ کوئی نیا اقدام اور نئی خدمت نہیں ہے بلکہ عالمِ انسانی کی یہ خدمت گذاری اسلام اپنے سر لے کر کما حقہ مرحلۂ اختتام تک پہونچ چکا ہے اسلام کے اندر امن و سکون کی وہی حیثیت ہے جو رگوں میں خون اور جسم میں جان کی ہوا کرتی ہے۔

اگر آج کی مجلسیں امن و سکون قائم رکھنا چاہتی ہیں . . . . .